۷۸۶

غمی اور خوشی

اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان نور اللہ مرقدہٗ وطاب ثراہٗ فرمانروائے
ریاست حیدرآباد دکن کی وفات تاسف سمات اور اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر
دام اللہ اقبالہٗ وخلد اللہ سلطنتہٗ کی تخت نشینی پر دو قصائد

مصنفہ
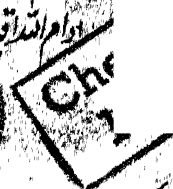
شاعر نازک خیال سخنور شیرین مقال مولوی محمد یونس صاحب نائل نیجر محکمۂ انسپکٹر
جنرل پولیس ممالک ریاست حیدرآباد دکن صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات والفتن مصنف
"جف القلم" "تباہی اور تلافی" وغیرہ

محمد شمس الدین خان اکبر آبادی کے شمس المطابع واقع نظام گنج حیدرآباد دکن
میں طبع ہوئی

تمہید

ان قصائد کا بڑا حصہ مین نے اوسی زمانہ مین لکھا تہا جبکہ اعلحضرت نواب غفران مکان میر محبوب علیخان رحمت اللہ علیہ نے ہمیشہ کے لیے اس دار ناپایدار کو خیر باد کہا اور اُن کے خلف الصدق اعلحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اورنگ ریاست کو معزز و مفتخر فرمایا - بعد مین ان کی تکمیل کیگئی - یہہ بہی ایک جوش تہا جسکو مین نہ روک سکا - یہہ منظوم مین نے اپنے مذاق کے مطابق لکہی ہے - اس مین نہ فلک کی شکایت ہے نہ زمانہ کا شکوہ - نہ گل و بلبل کے عشق کا ذکر ہے نہ شمع و پروانہ کی محبت کا - نہ اس مین نرگس و سوسن ہے - نہ سنبل و نسترن - نہ دار ممدوح کا دربان ہے نہ سکندر آئینہ دار - ایسی نظم اُن طبائع کو جنہین قدیم شاعری کا چسکا ہوگیا ہے کیونکر پہیکی نہ معلوم ہو - لیکن مین اپنی طبیعت سے مجبور ہون - مجھے فرضیت سے حقیقت زیادہ پسند ہے - اگر یہہ رنگ قدردان سخن کو پسند آئے تو آیندہ بہی کچھ نہ کچھ اسی رنگ مین لکہنے کی کوشش کیجائیگی - ورنہ خیر یہان فرصت ہی کسے ہے - آخر مین مین بادب التجا کرتا ہون کہ ان اوراق مین کوئی لفظی یا معنوی غلطی ہو تو ارباب بصیرت اُس سے درگذر فرمائین - ع کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود فقط ۴ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء

بندۂ نائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدۂ اوّل شمسی

(۱۰ اشعار)

گلشن عالم میں یارب یہ چلی کیسی ہوا ۔۔۔ چاشنی بخش قضا و حاصل جور و جفا

عشرت و راحت مبدل ہیں بہ اندوہ و الم ۔۔۔ ہے طرب اور شادمانی کی جگہ آہ و بکا

درہم و برہم ہے سارا جلسۂ عیش و نشاط ۔۔۔ ہر مکان۔ ہر کوچہ و برزن میں ہے ماتم بپا

بے محل ہیں مطلقاً فروردین و اُردی بہشت ۔۔۔ مہر و آبان۔ آذر و دے کا عمل ہے جا بجا

سایہ افگن آسمان ہفتمیں سے ہے زحل ۔۔۔ ڈال لی سعدین نے ہے روئے انور پر ردا

کھا لیا ہے زہر سبزان چمن نے بیگمان ۔۔۔ کہ ہے سب کا جسم سبز اور سبز ہے سب کی قبا

ہیں دریدہ پیرہن۔ رنگین کفن سینہ فگار ۔۔۔ سرخ و سبز و زرد و نیلی گل ہیں خستہ برملا

لب پہ غنچوں کے ہے مہر خامشی جس طرح ۔۔۔ باپ ماں کا رنج بچوں کے لئے حسرت فزا

له ۱۔ اعلیحضرت نواب غفران مکان میر محبوب علیخان نور اللہ مرقدہ کا وصال ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۲ مہر ۱۳۲۰ف مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء روز سہ شنبہ کو ظہر سے کچھ پہلے ہوا۔ یہ مہینہ بارش کا موسم تھا اسلئے ان دونوں قصائد میں زیادہ تر برسات کا تلازم ہے۔

له ۲۔ فروردین و اُردی بہشت ماہ ہائے بہار سے ہیں اور مہر۔ آبان۔ آذر و دے ماہ ہائے خزاں سے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کا انتقال ماہ مہر میں ہوا۔

دور دورہ ہے چغد اور بوم کا چاروں طرف
ہو گیا ہے بے شبہ معدوم دنیا سے ہما

ہے چہکنا بولنا چنڈول[1] کا یکلخت بند
فاختہ اور قمری کے لب پہ ہے ہو حق کی صدا

ہے سیہ پوش[2] آسمان اور رو رہا ہے زار زار
قطرہائے اشک سے اسکے ہے اک دریا بنا

کہتے ہیں حکما کہ گردش ہے زمیں کو لیک یہ[3]
وہ کبھی بھی سی ہوئی - ظاہر نہیں گردش ذرا

ہے جگر پر خون زمیں کا اور اگلتی ہے وہ خون
صدق تھا پر اس قول کے جو ہے یہ ہوتی اک گوا

ق

لعل[4] بستان ہیں جنگلوں سے یہ کہتی ہے حنا[5]
یہ نہیں موسم کہ جس میں خون ہو میرا روا

صوفیان با صفا کی طرح ہوں میں سبز پوش
خون سے پھر سے تم اب رنگیو اپنے دست و پا

ق

میکشوں[6] سے بھی یہ کہتی ہے زبان حال سے
ڈھونڈتے ہو تم مجھے اب - ہے عبث یہ ڈھونڈنا

تھا کئی عرصوں میں برنگ ہما یہ خلوت نشین
لاکھ ڈھونڈو تم نہ پاؤ گے کہیں میرا پتا

صوفیانہ رنگ کا اب ٹیسو[7] کا سر تا سر لباس
ماتمی اسود کا ہے - احمر کا خونین برملا

ہے گل عصفر ندامت سے بھی زرد رو
اس لیے نادم ہے کہ حق وفا نکیا ادا

سن کے گلشن سے ستمگران کا کہنا باقلب
کہ یہ کیسا شور عالم میں ہے کیسا غلغلا

---

[1] دکن میں صرف چنڈول ایک گانے والا اور بولنے والا پرندہ ہے۔

[2] حضرت اقدس اعلیٰ کے انتقال کے روز ابر آسمان پر محیط تھا اور بارش ہوئی۔

[3] زمین کی گردش ظاہر ہوا نہیں ہے۔

[4] بارش کے موسم میں جنگل اور پہاڑوں کے دامن میں بیربہوٹیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

[5] حنا یعنے مہندی بالخواص سرد تر ہے۔ اسکا استعمال زیادہ تر گرمیوں کے موسم میں کیا جاتا ہے۔

[6] حضرت اقدس اعلیٰ کا انتقال ماہ رمضان میں ہوا اور دکن میں قاعدہ ہے کہ کیسا ہی سخت نشہ خوار ہو ماہ رمضان میں شراب کشی سے توبہ کر لیتا ہے۔

[7] ٹیسو کا درخت جو دکن میں بکثرت ہوتا ہے۔

چھوڑ دی ہے خور پرستی اب گلِ خورشید نے
نیم اک جانب کھڑا ہے ترش رو اور تلخکام
ہاتھ پھیلائے ہوئے برگد کھڑا ہے دردناک
فرطِ غم سے ہو گیا ہے حال جامن کا سیاہ
گوشۂ بستان میں ہے مغموم ہرفاریوڑی[3]
ٹوٹتا کانٹوں پہ ہے کمزور اور لاغر گلاب[4]
سُست افسردہ اداس اور خاک بر سر ہے سرس
ہے لبِ جو پہ کھڑا جو کیوڑا باہشت دست
ہیں بٹھوں اور بانبیوں میں اپنی سب حشراتِ ارض[6]
کیوں کھڑے ہیں اک جگہ اشجار سرد اور دم بخود
سرنگندہ کس لیے ہیں ڈالیاں اشجار کی
کیوں پہاڑوں نے ملی ہے جسمِ عریاں پہ بھبوت
ہو رواں افتاں و خیزاں آبِ جو کف در دہن

کیا کرے عابد[1] کہ جب معبود ہو خود بے پتا
اک طرف پیپل ہے ہاتھ اور پیر اپنے مارتا
بال اوسکے ہیں کھلے اور لب[2] پہ ہے آہ و بکا
ہے پہلو نیمن تک اثر اسکا دکھائی دے رہا
اوسکی زردی دے رہی ہے قلّتِ خوں کا پتا
خون اک قطرہ نہیں گو جسم سب ہے چھد گیا
غم سے ہے سلطانِ اشجار[5] اندنوں خوار و تباہ
عمرِ فانی کو وہ جوں آبِ رواں ہے جانتا
ترک کردی ہر اک نے مطلقاً اپنی غذا
کس کے غم نے کر دیا ہے انکو یوں بیدست و پا؟
خاک اُڑاتی پھرتی ہے چاروں طرف کیوں ہوا
یا انہوں نے کسکے غم میں جوگ ہے آخر لیا؟
کیا ہوا ہے فرطِ غم سے صرع میں وہ مبتلا؟

[1] یہاں ابر کی طرف اشارہ ہے۔

[2] مشہور دکھنی کہاوت ہے "پڑ رہے پیپل ہے۔ الی کی پیٹھ کبھی نہ ہے"۔

[3] ہرفاریوڑی کا درخت جسکا رنگ زردی مائل سبز ہوتا ہے۔

[4] گلاب کا درخت۔

[5] درخت سرس کو حکمانے بوجہ اسکے عمدہ افعال اور خواص کے "سلطان الاشجار" کا لقب دیا ہے۔

[6] سردی کے موسم میں حشرات الارض اپنے سوراخوں میں دبکے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔

چھپ گیا ہے کسلیئے خورشید عالم تاب آج
کسلیئے چھائی ہوئی ہے چوطرف غم کی گھٹا

ماہ و پروین ہوگئے بے نور کیون اور بے فروغ
کیا ہے جو ہر سو عمل ظلمات کا ہے ہو رہا

مکہ[1] مسجد کی طرف کیون دوڑی جاتی ہے یہ خلق
چشم گریان سب کی ہے اور سبکے لب پہ ہے بکا

سبکے چہرون پہ ہے اک افسردگی چھائی ہوئی
وہ نہ چہل پہل ہی ہے باقی اور نہ وہ رونق ذرا

یون تو ہر گہر مین ہے گریہ و بکا پر بالخصوص
نالہ و شیون کی چو محلہ[2] سے آتی ہے صدا

ساکنان شہر کو ہے گریہ و زاری سے کام
انکے نالون سے زمین و آسمان ہے پہٹ رہا

ہے ہجوم خلق ہر سو۔ بند ہین سب کام کاج
ازدحام خلق سے ملتا نہین ہے راستا

کیا ضرورت دور جانیکی ابہی کل کی ہے بات
شہر یہ عشرت کدہ تہا پر ہے اب ماتم سرا

ایکدم کے دم مین کیسی ہوگئی یہ شاہ مات
یا الٰہی کس غضب کا آج یہ پالا پڑا

چاہے لاکہہ انسان کرے تدبیر کوشش او فکر
پر کبہی دہویا نہین جا سکتا قسمت کا لکہا

ہائے وہ سلطان ذیشان۔ حامی دین متین
پیرو ختم رسل۔ سردار خیل اتقیا

حق شناس و حق سگال و حق پژوہ و حق نگر
خلق پرور۔ عدل گستر۔ سایۂ رب علا

مورد الطاف یزدان۔ مصدر فیض ازل
مظہر ذات الٰہی۔ مرجع اہل صفا۔

گوہر درج فتوت۔ نیر برج مہی۔
منبع صدق و مکارم۔ معدن جود و عطا۔

تہے یتیمون اور بیواؤن پہ جو از بس شفیق
جو غریبون کے تہے حامی۔ بیکسون کا آسرا

---

[1] مکہ مسجد مین قبر تیار ہو رہی تہی اور یہین خلائق کی کثرت تہی۔

[2] حضرت اقدس و اعلیٰ کا انتقال قصر فلک نما مین ہوا۔ اور لاش مبارک وہان سے بذریعہ موٹر چو محلہ لائی گئی۔ رات کے ایک بجے کے قریب جنازہ شاہی اعزاز سے مکہ مسجد مین داخل ہوا۔ اور اس دُر یکتائے خوبی اور گل گلبن محبوبی کو آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔

گہر اور تر ساتے ہے جنکے سفر پیسے روزینہ خوار ۔ مومن و کافر تھے جنکے خوان کے زلّہ ربا

جنکے بذل و موہبت سے اُٹھ گئی رسم سوال ۔ نامراد اب تک نہ جنکے در سے کوئی سائل پھرا

تھی سخاوت اور شجاعت جنکی یون مشہور خلق ۔ محو دل سے نام حاتم اور رستم کا ہوا

معرفت سے رب یزدان کی غنی تھا جنکا دل ۔ دولت دنیا سے وہ ان پہ تھا نہ جنکو اٹکا

با وجود آسائش اور آرام کے سامان کے ۔ ہاتھ کا تکیہ تھا جنکو اور زمین کا بستر ا

علم و فضل اور فہم و دانش مین نہ تھا جنکا جوڑا ۔ جنکا شاہان جہان پہ سکہ تھا بیٹھا ہوا۔

آج وہ دار البقا کی سمت راہی ہو گئے ۔ کر گئے ہمکو آفت و رنج و الم مین مبتلا۔

ماہ رمضان کی تھی چھ تھی تیرہ سو اکتیس سن ۔ روح اونکی خلد مین پہنچی۔ وہ دن مشکل کا تھا

ق

وہ دکن کا ماہ رخشان جسکے روشن نور سے ۔ مشرق و مغرب تھا آخر چاہ مرقد مین چھپا

لیک جب ہوتا ہی پنہان چاند ہم سے اسطرف ۔ سمت متقابل مین اوسکا نور ہے جلوہ نما۔

بس یہی ہے حال اس سلطان حق آگاہ کا ۔ عالم باطن پہ ہے دراسکے فیضان کا کھلا

اسکے غم مین مضطرب اور بیقرار اہل جہان ۔ کہتے ہین اہل جہان در چشم ما بنشین بیا

ایسا صدمہ یہہ نہین جسکی تلافی ہو سکے ۔ اس الم مین خون ہی روئین اگر ہم ہے بجا

شاہ ایسا کس نے دیکھا آجتک کس نے سنا ۔ عادل و باذل شجاع و ذی مروت۔ با حیا

چند روزہ ہے جہان دل بستگی اس سے نکر ۔ خواب ہے گویا۔ کھلی جب آنکھ کچھ بھی نہ تھا

تجھسے پہلے آئے لاکھون اور لاکھون چل بسے ۔ نیک و بد عالم و جاہل اور فقیر و بادشاہ۔

شوکت جم[1] ہے نہ باقی۔ نہ سکندر[2] کا حشم ۔ عدل افریدون کا ہے۔ نہ ظلم ہے ضحاک کا

---

[1] جم جمشید کا مخفف ہے۔ جمشید ایران کا نہایت پرانا اور صاحب شان و شوکت بادشاہ تھا۔ عید نوروز اسی بادشاہ کی یادگار ہے۔

[2] سکندر کو بعض مورخین نے رومی اور بعض نے یونانی لکھا ہے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ وہ نہ رومی تھا نہ یونانی بلکہ مقدونیہ کی ایک وحشی قوم کا بادشاہ تھا۔ زمانہ قدیم کے بزرگترین فاتحوں مین اسکا شمار کیا جاتا ہے۔

قیصرانِ روم - فغفورانِ چین - رایانِ ہند
تھے بڑے شہرہ ور جمشید و رستم و اسفندیار
جام جمشید[1] اب کہاں اور سدِ اسکندر[2] کہاں
اب کہاں نمرود[4] کا تختِ رواں بر روئے باد
اب کہاں خلفائے عباس و امیّہ کی تزک
تھے یہ سب فنا کی نذر اور خاک ہی میں مل گئے
کیا ہوئے دلی[6] اجودھیا[7] - ہستناپور[8] اور گوڑ[9]

انکی قبروں کا نہیں ڈھونڈے سے بھی ملتا پتا
لیک اب انکا فقط اک نام باقی رہ گیا
دولتِ قارون[3] کہاں جسکی نہ تھی کچھ انتہا؟
اب کہاں شداد[5] کی جنت لطیف و پر فضا؟
ہند کے شاہانِ مغلیہ کا دورہ کیا ہوا؟
خاک سے پوچھو کہ انکے ساتھ اسنے کیا کیا؟
قرطبہ[10] - بغداد[11] - بابل[12] - اصطخر[13] اور نینوا[14]؟

[1] جام جمشید ایک آلہ تھا جسکے ذریعہ سے تمام دنیا کا حال دریافت ہوتا تھا۔

[2] جب سکندر نے ایران اور توران کو فتح کیا تو اقوام تاتار کے دستبرد سے اپنے مفتوحہ ممالک کو بچانیکے لئے اس نے ایک عظیم الشان دیوار تعمیر کی۔ اسی کا نام سد سکندر تھا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

[3] قارون زمانہ قدیم کا ایک نہایت دولتمند بادشاہ۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

[4] نمرود بابل کا نہایت طاقتور کافر بادشاہ جس نے ایک تخت رواں تیار کرایا تھا جسے گدھ لیکر آسمان پر اڑتے تھے اسکی ہدایت کیلئے حضرت ابراہیم

[5] شداد قوم عاد کا نہایت طاقتور اور صاحب سطوت بادشاہ۔ یہ قوم ملک عرب کے جنوبی حصہ میں بستی تھی۔ شداد نے بڑے اہتمام سے ایک مصنوعی بہشت تیار کرائی تھی جسکا ذکر قرآن شریف میں ہے لیکن خدا کا حکم تھا کہ اس وقت تک نہ بننے پائے اور اسمیں داخل ہونیسے قبل قابض ارواح نے اسکی روح

[6] پرانی دلی مراد ہے۔

[7] اجودھیا ملک اودھ میں واقع رام چندر جی کے باپ راجہ دسرتھ کا دار السلطنت تھا۔

[8] ہستناپور دلی کے قریب قوم پانڈو کا پایہ تخت تھا۔

[9] گوڑ ملک بنگالہ کا قدیم دار السلطنت جسکے کھنڈر اب بھی سیاحوں کو محو حیرت بناتے ہیں۔

[10] قرطبہ اسپین کے مسلمان سلاطین کا مشہور دار الخلافت۔

[11] بغداد قدیم عراق کا مشہور شہر جو ایران کے شاہان ساسانیہ اور انکے بعد عہد اسلام میں خلفائے عباسیہ کا پایہ تخت رہا۔

[12] بابل زمانہ قدیم کا سب سے زیادہ شاندار اور وسیع شہر دریائے فرات کے کنارے آباد تھا۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

[13] اصطخر ایران قدیم کا پایہ تخت جہاں جمشید فریدون کیخسرو وغیرہم قدیم شاہان ایران نے حکومت کی۔ اسکے قصر چہل منار کے آثار جو جمشید کا بنایا ہوا تھا ابتک موجود ہیں اور سیاح انکو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ یہ شہر زمانہ حال کے شیراز سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔

[14] نینوا سلطنت آشور کا عظیم الشان پایہ تخت دریائے دجلہ پر موصل کے قریب واقع تھا۔ حضرت یونس اسی شہر کے باشندوں کی ہدایت کیلئے خدا کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں بالتفصیل موجود ہے۔

کھنڈر و نشیمن لوٹتے ہین انکے کتے اور گدہے
اُنکے ویرانون مین اُلو لیتے ہین بے دغدغا

کی سلیمان نے حکومت انس و جن پر مدتون
لیک انکو بھی یہان سے ایک دن جانا پڑا

خطۂ یونان[1] کہان اور آشور[2] و کلدان[3] کہان
اب کہان ہے انکی حکمت اور نجوم و فلسفہ[4]

تھے جو کسرایان[5] ایران اور فرعونان[6] مصر
شان و شوکت مین نہ تہا انکا سا کوئی دوسرا

اسطرح انکو زمانے نے کیا نابود و نیست
نام ہی موہوم ہے انکا۔ نشان کا ذکر کیا

جب تجھے جانا ہے اکدن اس جہان سے ای فہیم
تہا نہ رہنے والون کا سا تو نہ یہان گہر بنا

ہے سرا دنیا۔ مسافر اہل دنیا ہین تمام
چندروزہ ہے یہان رہنا ہمارا بر ملا

جتنا ممکن ہو علایق سے تو رہ دنیا کے دور
کہ مسافر جسقدر ہلکا ہو اتنا ہی بھلا

یہ دو روزہ زندگی جون تون گذر ہی جائیگی
چاہیے انجام پر رکھے نظر انسان سدا

چھوڑ جاتا ہے جہان مین اپنے بعد انسان فقط
نام نیک یا نام بد۔ سب ہیچ ہے اسکے سوا

خوش نصیب وہ لوگ ہین جن سے ہون دائم یادگار
نیک کام اور نیک صفت اور نیک آئین و ادا

---

[1] یونان وہ ملک نہیں ہے جسے زمانۂ حال مین گریس کہتے ہین۔ جو جزیرہ نماے بلقان کے جنوبی حصہ مین واقع ہے۔ بلکہ اسکے مقابل ایشیاے کوچک کے مغربی ساحل پر ایک اور ملک تہا جسے اہل گریس نے آباد کیا تہا۔ اسکا نام آیونیا تہا جس سے لفظ یونان نکلا ہے۔ قوم گریک کے نامی گرامی شعرا۔ مورخ اور فیلسوف زیادہ تر اسی خطہ کے رہنے والے تہے۔

[2] آشور زمانہ قدیم کی عظیم الشان سلطنت جسکا پایہ تخت نینوا تہا۔

[3] کلدان زمانہ قدیم کی سب سے زیادہ قدیم سلطنت جسکا پایہ تخت بابل تہا۔

[4] یونان کا حکمت و فلسفہ اور آشور و کلدان کا نجوم مشہور ہے۔

[5] کسری شاہان ایران کا لقب۔

[6] فرعون شاہان مصر کا لقب۔

گو وہ مرجا ہین بظاہر۔ باطناً زندہ ہین وہ
اسطرح دنیا مین جی کر لوگ جو ہین تیرے بعد
دولت دنیا پہ مست مغرور ہو نادان ہمیشہ
کہتے ہین مرنے کو چھوٹے اور بڑے سب انتقال
مرد وہ ہے جس سے نیک اوصاف ہون یادگار
ہے ہمارے شاہ حق آگاہ کی حالت یہی۔
خوبیان اسکی رہینگی یاد جبتک ہے جہان
ہم تھے جاہل اور انپڑھ اپنے لطف خاص سے
ہم تھے بیمار اُسنے پہنچا ئے ہم حاذق طبیب
سخت بے بہرہ تھے ہم اخلاق اور آداب سے
بیٹھتے تھے ہم تکا لیت سفر۔ اُسکے طفیل
معرض خوف و خطر مین تھا ہمارا جان و مال
الغرض اُس نے ہماری استراحت کیلیے
لینے وحشی سے بنایا اس نے متمدن ہمین
شاہ کے اوصاف خارج ہین ز امکان بشر
میر محبوب علی شاہ دکن کو اے غفور
رکھہ سلامت باکرامت اسکی آل اولاد کو
زندگی دایمی حاصل ہے اونکو از خدا
تھا یہ نیک انسان۔ بخشے اِسکو حق جلّ و علا
کونسی شئے ہے یہان کی جسکو حاصل ہے بقا
یعنے یہ نقل مکان ہے۔ کچھ نہین اسکے سوا
جسنے نیک اوصاف چھوڑے وہ نہین ہرگز مرا
نیکیون سے اپنی وہ زندہ رہے گا دائما۔
کسطرح ہم اوسکے احسانون سے ہون عہدہ برآ
کردیا علم و ہنر کا باب اس نے ہم پہ وا
اور مداوا مین ہمارے کی نہایت اعتنا
صورت مس ہم تھے اور شہ کی نظر تھی کیمیا
سہل ہچون کا سفر اب ہے بلا چون و چرا
ہین امن مین ہم بدولت اسکی اب شکر خدا
راحت و آرام کی اپنے نہ کی پروا ذرا
کسطرح ہو شکر احسان اسکا پہر ہم سے ادا
ختم کر اب یہ ذکر یہ قایل۔ دعا کو ہاتھ اٹھا
رکھہ جوار رحمت پاینده مین اپنے سدا
فیض ہو اہل جہان کو اُن سے تا روز جزا
آمین!!

قطعهٔ تاریخ ارتحال پرملال اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان نور الله مرقدهٗ

رفت چون سلطان اعدل از جهان
مرحبا گفت از طرب رضوان خلد

زد سر پا خاکدان دهر را
میکند سیر گل و ریحان خلد

چارم رمضان سه شنبه قبل ظهر
گشت راهی سوئے چمنستان خلد

این سرائے چند روزه را بهشت
کرد استقرار در ایوان خلد

رفت ما را در محیط غم گذاشت
گشت خود از جملهٔ اعیان خلد

تا ل مال از رفتنش اهل جهان
باغ باغ از مقدمش سکان خلد

هم نشین مصطفٰے و مرتضٰے
شهر یار ماست در دیوان خلد

قائل محزون و مضطر چون بجست
سال فوت آن سر و سامان خلد

از سروش غیب آمد این ندا
جائے محبوب علی بستان خلد
۱۳۲۹

رباعیات

دنیا کی بے ثباتی وغیرہ میں

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہے دنیا مردار (۱) اور طالب دنیا ہے سگ جیفہ خوار
رشتہ الفت کا اس سے توڑ دو غافل کب تک دنیا کے لیے یون خوار و زار

۱ حدیث صحیح الدنیا جیفة وطالبها کلاب۔

(۲)

دنیا ہے سرا۔ مسافر اہل دنیا — لازم ہے ہمین مثل مسافر رہنا
رکھو نائل سدا نظر منزل پہ — یہہ تار نفس کوچ کا ہے راہ نما

(۳)

دنیا مین غرور و کبر و نخوت کس پر — انسان کی خمیر مین ہے خود نقص و ضرر
ہر چیز یہان کی ہے سراپا نقصان — بے نقص فقط ہے ذات رب اکبر

(۴)

ثروت کام آئے گی۔ نہ دولت اور مال — ماں باپ۔ نہ بھائی اور بہن۔ اہل و عیال
نائل کچھ عاقبت کا توشہ کر لو — ہر اک کا یہان ہے نفسی نفسی کا حال

(۵)

انسان کی زندگی بھی ہے اک جنجال — خالی راحت سے۔ رنج سے مالا مال
یہہ مدت اندک عمر جس کا ہے نام — ہے اک سرا در ہزار سودا کی مثال

(۶)

دن عمر کے گذرے مثل باد صحرا — راحت گذری۔ اور رنج و غم بھی گذرا
غفلت مین ہماری گذری یہ عمر تمام — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۷)

کب تک تو اے طائر دل صید ہوس — حلوے کے طباق پہ ہو جب طرح مگس
حلوا بھر مگس ہے کب دام سے کم — دنیا بھی تیرے لئے نہین کم ز قفس

(۸)

جب صبح ہوئی تو شام بھی ہوگی ضرور — فکر امروز و فردا دل سے کر۔ دور

ہردم انسان کو چاہیئے حق پہ نظر | ہے فکر میں تیرے خود تیرا ربّ غفور

(۹)

مقسوم ہے رزق۔ فکر سے کیا حاصل | کوشش البتہ شرط ہے اے عاقل
بیجا ہے زیادہ طلبی کی خواہش | کتّے سے قناعت کا سبق لو نا اہل

(۱۰)

گرما آیا تو خواہش باران ہے | برسات میں جاڑوں کیطرف میلان ہے
اس دیر خراب میں نہیں چین کبھی | کیا ہی بے چین و مضطرب انسان ہے

قطعہ

قضا طبیب سے کہتی ہے ہنس کے اے نادان | خلاف مرضی رب ہے یہ تو جو کرتا ہے
ترے مریض کا آوند عمر ہے لبریز | عبث تو عقل پہ نازاں ہے۔ اب وہ مرتا ہے

اعلیحضرت نواب غفران مکان کی ہردلعزیزی

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا۔

حافظ

دنیا میں جو چیز ہے فنا ہونے والی ہے۔ بجز ذات خدا کسی کو بقا نہیں جسکی ابتدا ہے اسکی انتہا بھی ہے۔ دنیا کی ہر چیز بتا رہی ہے کہ ہم یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ سورج اور چاند نکلتے ہیں۔ اور غروب ہو جاتے ہیں۔ صبح سے شام کا اور دن سے رات کا پتا چلتا ہے۔ پھول کھلتے ہیں اور مرجھا کر گر پڑتے ہیں۔ اُجالا ہے تو اندھیرا بھی ہے۔ خوشی ہے تو غمی بھی ہے۔ بادل

آتا ہے اور مینہہ برستا ہے۔ تہوڑی دیر مین دیکھو تو دہوپ نکل آتی ہے۔ ابہی دہوپ پڑتی تہی۔ ابہی کالی گہٹا چہاگئی اور مینہہ برسنے لگا۔ غرض کسی چیز کو ثبات نہین۔ کسی کام کو پایداری نہین۔ یہہ منڈا ان جسمین ہم ہین۔ سو برس کے بعد ملیامیٹ ہو جائے گا۔ گویا تہا ہی نہین۔ خوش نصیب وہی لوگ ہین جو اس چند روزہ زندگی کو اسطرح گذار دین۔ کہ ابنائے جنس کو انکے ہاتہہ سے حتی الوسع فائدہ پہونچے۔ انسان اپنے بعد صرف اپنے اوصاف چہوڑ جاتا ہے۔ نیکی یا بدی۔ بہلائی یا برائی۔ بڑے بڑے بادشاہ بڑے بڑے متقنن۔ بڑے بڑے حکیم اور فیلسوف گزرے ہین۔ اب انکا نام ہی نام رہگیا ہے۔ کوئی ظالم تہا کوئی عادل۔ کوئی نیک تہا کوئی بد۔ نہ وہ رہے نہ ہم رہینگے جسطرح انکا نام ہے۔ اسی طرح ہمارا بہی رہے گا۔ مگر بہلائی کے ساتہہ یا برائی کے ساتہہ۔ غفران مکان نواب میر محبوب علیخان خدا انکے درجات بلند کرے اسی قانون قدرت کے مطابق جسکا ہر متنفس پابند ہے اس جہان فانی سے سدہار گئے اور اس جگہ جا پہونچے۔ جہان اون سے پہلے کروڑون جا چکے ہین۔ انکے عادات وخصائل۔ انکے محاسن و معائب (اگر معائب کچہہ تہے) پر رائے زنی کرنا انکے سوانح نگار اور تذکرہ نویس کا کام ہے۔ ہم کو یہان انکی زندگی کے صرف ایک وصف یعنی مقبولیت عام سے بحث کرنا مقصود ہے۔ دنیا مین اسوقت صدہا بادشاہ اور حکمران موجود ہین۔ کیا ان سب کو مقبولیت حاصل ہے؟ کیا ان سب کو ان کی رعایا اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتی ہے۔ اسکا جواب سوا نہین کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہہ زمانہ تہذیب اور تمدن کا ہے۔ نئی روشنی کی جہلک نے خیالات مین جدت پیدا کردی ہے۔ حاکم و محکوم کے حقوق و فرایض نہایت

شرح وبسط کے ساتھہ بیان ہوئے ہین۔ اگر ذرا بھی ان سے انحراف کیا جاتا ہے تو نکتہ چین اعتراض کی بوچھاڑ کر دیتے ہین۔ زمانہ حال کا رجحان زیادہ تر جمہوری اور آئینی سلطنت کی طرف ہے۔ مطلق العنان بلکہ اکثر اوقات جمہوری بادشاہون کے بھی اقتدارات کم کرنے کے لئے ذرایع اور وسائل سوچے جاتے ہین۔ ایسے زمانہ مین کسی بادشاہ کا اپنی رعایا مین ہر دلعزیز ہونا مشکل ہے۔ یورپ کے اکثر جلیل القدر سلاطین ہمیشہ اپنی جان ہتھیلی مین لئے پھرتے ہین۔ بادشاہ کی حفاظت کے لئے چوکی پہرہ کا ایسا وسیع انتظام کیا جاتا ہے کہ سلطنت کی آمدنی کا ایک معقول حصہ اسکی نذر ہوجاتا ہے۔ بادشاہ دارالسلطنت سے اگر ذرا بھی باہر جائے تو ریلوے لین اور سفر کے راستون کی دونون طرف پہرہ بندی کی جاتی ہے۔ انارکسٹ۔ نہلسٹ۔ اور دیگر انقلاب پسند فرقون سے بادشاہون اور ان کے ہواخواہون کا ناک مین دم ہے۔ نہ دن چین ہے نہ رات نیند۔ مغرب چھوڑ مشرق کو لیجئے۔ ٹرکی۔ ایران اور مراقش تینون اسلامی سلطنتون مین انقلاب حکومت ہوا۔ رعایا نے بادشاہ کو معزول کر دیا۔ اور اپنی پسند کے مطابق دوسرا بادشاہ تجویز کیا۔ افغانستان بھی انقلاب پسندون سے خالی نہین۔ جاپان اور چین مین بھی انکا وجود پایا جاتا ہے۔ غرض دنیا مین بہت کم ایسے ملک ہین۔ جہان بادشاہ اور رعایا مین کچھہ نہ کچھہ اختلاف نہو۔ البتہ فرق اتنا ہے کہین زیادہ ہے۔ کہین کم اسکے برعکس ہماری سلطنت کا حال ہے۔ یہان کی رعایا کو حضرت غفران مکان کے ساتھہ بلامبالغہ وہ تعلق تھا جو اولاد کو ماں باپ سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے عزیز بادشاہ پر ایک جان تو کیا سو جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ یہیہ وہ

زمانہ نہیں کہ متمدن ممالک مین بادشاہ کو ظلّ اللہ علی الارض خیال کیا جائے ۔ لیکن ریاست حیدرآباد دکن کی رعایا اپنے محبوب پادشاہ کو اس سے بہت زیادہ جانتی تہی ۔ اسکی محبت پرستش کی حد تک پہونچی ہوئی تہی ۔ ہندو حضرت غفران مکان کو پرمیشر کا اوتار خیال کرتے تہے تو مسلمان ۔ عیسائی اور پارسی انکو ایک ولی کامل اور برگزیدہ بندۂ خدا سمجہتے تھے ۔ جس چیز کو انکا ہاتہہ لگ گیا وہ مقدس خیال کی جاتی تہی ۔ جس گہر مین انکا گزر ہوا وہ مبارک تصور کیا جاتا تہا ۔ جس راستے سے انکی سواری جاتی تہی وہان ہزارون مخلوق ان کے اشتیاق دید مین جمع رہتی تہی انکی دی ہوئی چیز باپ تبرکاً اپنی اولاد اور احفاد کے لئے رکہہ چہوڑتا تہا ۔ انکی ہم کلامی کو بڑے بڑے عالی پایہ اور ذی رتبہ اشخاص اپنے لئے باعث افتخار سمجہتے تہے یہہ حال ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگون کا تہا ۔ امیر غریب انپڑہ تعلیم یافتہ ملازم غیر ملازم غرض ہر خیال اور ہر مذاق کے آدمی اپنی وفاشعاری کا ثبوت دینے مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے ۔ حضرت غفران مکان کی تصویر قریب قریب ہر گہر مین ملے گی اور ہر صبح انکا درشن نہایت مبارک اور تمام دن ہنسی خوشی سے بسر کرنے کا یقینی ذریعہ خیال کیا جاتا تہا ۔

عادل آباد کے مزارعین ۔ مدگل اور پالونچہ کے چرواہے ۔ ناندیڑ اور اورنگ آباد کے تجار اُن کی ذات سے اسیقدر عقیدت رکہتے تہے جسقدر کہ شہر حیدرآباد کے امرا و غربا ۔ وضیع و شریف اُن کے شیفتہ و دلدادہ تھے ۔ انتہائے مصیبت کے وقت مین بہی حیدرآبادی اپنے پادشاہ کو دعا دینے سے نہیں رکتا تہا ۔ اد سکے خویش واقارب مرجائین ۔ اسکا گہر تباہ ہوجائے ۔ اسکی نوکری جاتی رہے پہر بہی

یہہ کہکر وہ دلکو تسکین دیتا تہا کہ پادشاہ سلامت رہین تو ان سب کی تلافی ہو جائیگی۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کہاتے پیتے۔ غرض ہر وقت ہر حالت مین وہ پادشاہ کا شکر گزار اور انکے حق مین دست بدعا رہتا تہا۔ یہہ تو انکی زندگی مین حالت تہی حضرات غفران مکان کے مرنے کی خبر سنکر تمام شہر مین ایک کہرام مچ گیا۔ ہر کہہ و مہہ روتا تہا اور اپنے پادشاہ کے محاسن و محامد کا ذکر کرتا تہا۔ انتقال کے بعد کئی لاکہہ آدمیون کا مجمع شہر مین ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کا انتظام بہت رات گئے ہوا۔ لیکن پہر بہی مکہ مسجد مین پچیس تیس ہزار آدمیون سے کم نہ تہے۔ جب جنازہ مکہ مسجد مین لایا گیا۔ تو نالہ و شیون کی آواز سے زمین آسمان پہٹے جاتے تہے۔ ہر شخص یہہ کوشش کرتا تہا۔ کہ کسی طرح جنازہ کو چہولے۔ لیکن کثرت خلایق سے بہت کم آدمیون کو یہہ عزت نصیب ہوئی۔ اور جنکو نصیب ہوئی وہ اُس پر فخر و مباہات کرتے ہین اب تک قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ہزارون آدمی دور دراز مقامات سے آکر مرقد پر پہول چڑہاتے ہین۔ پہول حالانکہ وقتاً فوقتاً ہٹادئے جاتے ہین۔ پہر بہی ہر وقت قبر پر ایک انبار لگا رہتا ہے۔ غرض ہر مذہب و ملت۔ ہر طبقہ و فرقہ کے لوگون مین حضرت غفران مکان کا ماتم ہے اور یہہ ایسی بات ہے جس سے اِن کے بدرجۂ غایت ہر دلعزیز اور مقبول عام ہونے کا ثبوت ملتا ہے ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

اب یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعلیحضرت مرحوم و مغفور کی اس ہر دلعزیزی اور عام مقبولیت کا کیا باعث تہا۔ اسکا جواب انکی بے لوث نیک نفسی بے رو و رعایت عدل گستری اور عالی حوصلہ فیاضی ہے۔ حضرات غفران مکان کے

اوصاف ضرب المثل اور شہرۂ آفاق ہین۔ خود حضرت آنجہانی کا ارشاد ہے ؎

آصف کو جان و مال سے اپنی نہین دریغ ... گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے

یہہ ایک شعر اونکے طرز عمل کا لب لباب اور اس قابل ہے کہ ہر بادشاہ بلکہ ہر فرد بشر اسکو اپنے لوح دل پر کندہ کر رکھے۔ سچے ایثار نفس۔ بے رو رعایت عدل گستری اور شاہانہ فیاضی کا حضرت آنجہانی نے جو ثبوت دیا اسکی نظیر تاریخ مین بمشکل مل سکے گی۔ لذات دنیوی سے اونکو بہت کم حصہ ملا۔ ہمیشہ درویشانہ زندگی بسر کی۔ عدل و انصاف مین کبھی کسی مذہب و ملت کے امتیاز کا خیال نہین کیا۔ ان کی سخاوت اور فیاضی کا گھر گھر چرچا ہے۔ یہان اسکے اعادہ کی ضرورت نہین۔ غرض حضرت غفران مکان کا نام ابد الاباد تک تاریخ ہند و دکن مین سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ اور آنے والی نسلین ان کے کارنامون سے اپنی زندگی کا سبق حاصل کرینگی۔

خاتمہ پر ہماری دعا ہے کہ ہمارے موجودہ آقا اعلیحضرت نواب میر **عثمانعلیخان** بہادر خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ اپنے واجب الاحترام پدر بزرگوار کے نقش قدم پر چلکر اپنی قریباً ڈیڑھ کروڑ رعایا کے جو ودائع بدائع حضرت احدیت ہین فلاح و بہبود مین بدل کوشان رہین۔ **آمین**۔

ازان بہرہ ور تر در آفاق کیست
کہ در ملک رانی بہ انصاف زیست
سعدی

۷۸۶

قصیدۂ ثانی[1] خوشی[2]

(۱۰۰ اشعر)

سمتِ یثرب[3] سے سوئے ہندوستان آئی صبا	لے کے جلو مین لشکر باران رحمت آشنا
اسکی آمد[4] سے ہوا سرسبز بستان دکن	تھا لب مردہ تھا گویا یک بیک زندہ ہوا

[1] اس قصیدہ مین اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی۔ خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی تخت نشینی کا ذکر ہے۔ ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو منگل کے دن قبل ظہر اعلیحضرت نواب غفران مکان کا وصال ہوا۔ اسکے دو گھنٹے کے اندر اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر کی مسند نشینی کا اعلان تمام شہر مین کیا گیا۔ ۶ رمضان ۱۳۲۹ھ جمعرات کی صبح کو حضرت غفران مکان کی فاتحہ سوم تھی۔ شام مین چومحلہ مبارک مین دربار ہوا جسمین جملہ عمائدین شہر اور صاحب رزیڈنٹ بہادر وغیرہ شریک تھے۔ اس دربار مین اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر زید اللہ عمرہ ودام اللہ شوکتہ نے ریاست ابد مدت حیدرآباد دکن کی مسند شاہی پر جلوس فرمایا اور لاکھون مضطرب اور غمزدہ خلایق جنکو حضرت غفران مکان کی جدائی اور بس شاق تھی بمصداق اسکے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ اس نوباوۂ حدیقہ کامرانی اور گل گلبن جہانبانی کو باپ کی جگہ دیکھکر باغ باغ ہوگئے۔ باپ کا غم بیٹے کے دیدار نے بھلا دیا خدا اس خوشی مین روز افزون ترقی بخشے آمین۔

[2] اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر کی تخت نشینی چونکہ عین بارش کے موسم مین ہوئی لہذا اس قصیدہ مین بھی برسات کا تلازم ہے۔

[3] برسات کی ابتدا دکن مین اسطرح ہوتی ہے کہ بحر عرب کے بادل اوٹھتے ہین اور ہوا کے زور سے دکن کے مطلع پر پھیل کر مینہ برساتے ہین اسی کو انگریزی مین اریبین سی کرنٹ (Arabian Sea Current) یا نارتھ ویسٹ مانسون (North West Monsoon) کہتے ہین چونکہ نزول باران رحمت سرزمین عرب کی طرف سے ہوتا ہے اسلئے مین نے قصیدہ کی ابتدا اسی سے کی ہے۔ یثرب یعنی مدینہ طیبہ عرب کا ممتاز شہر اور جملہ مسلمانونکا امیدگاہ ہے یہان اوسکے فیضان باطنی کی طرف اشارہ ہے۔

[4] برسات کیا انسان کیا حیوان کیا نبات اور کیا جمادسب کے لئے بقائے حیات کا ذریعہ ہے۔ برسات نہو تو کوئی شئے زندہ نہ رہے۔

زرشتہ ریشے سے حق کے ہیں فضا تا ارض پر
آسمان پہ بادلے کا شامیانہ ہے نصب
یون نکلتے ہین زمین سے سبزہ و گل جابجا
جملہ موجودات عالم ہین نہا کے پاک و صاف
خسرو گل جلوہ افروزان ہی تخت شاخ پر
جھومتے ہین کس خوشی سے جہاڑ مستونکی طرح
نور آنکھون کو ہے حاصل سبزہ نورستہ سے
شاخ گل پہ کرتا ہے خوش فعلیان ہر برگ سبز
کسقدر دلکش ہے سبزان چمن کا حسن سبز
ہے گل خودرو کی فرش خاک پر کیسی بہا
کیا عجب گر سرو آزاد اب کی پہولے اور پہلے
سبزہ زار و چمن روان نہرین ہین یا یون سمجھی
پیکہ[2] جو بی ہے اور تصویر زیبائی گلاب
شام ہوتے ہی چنبیلی کیا دکہاتی ہے بہار
ہے گل عباس ظاہر ہر جگہ اک رنگ مین
جلوہ افگن ہے کنول کس لطف سے تالابون مین
گوکہرو[3] پہنے ہے جوڑا زرد مثل نوعروس

اور شمیم لطف بیروان سے معطر ہے ہوا
جھٹر بند دیکھو زمین پہ فرش مخمل ہے بچھا
شام ہین آئین نظر جیسے اختر بر سما۔
انکا نکہرا جوبن آنکھون مین ہے سبکی کہب رہا
ایک عالم محو نظارہ ہے چھوٹا کیا بڑا
ڈالیان باہم گلے ملتی ہین با ناز و ادا۔
لطف ہے کہسار مین آب روان کا برملا۔
ہر گل رعنا کو شفقت سے جہلاتی ہے ہوا۔
صبر کہو بیٹھین اگر عشاق گلشن ہے بجا۔
کتنا ہے پر لطف سرخ و زرد و ابیض کا سما
آئی ہے[1] ایسی بہار اور جوش پر ہے نامیا
اٹھکہراتی چال سے معشوق ہے کوئی چل رہا
چاہے وہ جس رنگ مین ہو ہے بلاشک دلربا
رات کو کسطرح خوشبو دل کو لیتی ہے لبہا
قرمزی چنڈریا۔ سفید اور زرد و مشکی کہربا
صاف باطن خندہ رو حقتان ربا راحت فزا
بخشتی ہے اسکی گہری زردی آنکھون کو جلا۔

١ برسات ہندوستان کا موسم بہار ہے۔
٢ گلاب کا پہول کئی قسم اور کئی رنگ کا ہوتا ہے۔
٣ گوکہرو کا پہول مراد ہے جو برسات کے موسم مین جنگل مین بہت [illegible] دیتا ہے

مل لیا ہے موم روغن منہہ پہ شاید گیند نے
جس سے اسکا حسن اور جوبن دوبالا ہوگیا

ہین ہزارے کی اداؤن پہ ہزار دن شیفتہ
محو نظارہ ہین لاکہون کچہہ عجب ہے یہ سما

کسقدر خوش رنگ ہین یہہ پہول پیپلیا رس کے
صانع برحق کی دیتے ہین وہ صنعت کا پتا

ڈہاک کا تختہ ہے جنگل مین کہ لالے کا چمن
خوب آنکہون کی ضیافت کا ہے یہ سامان نیا

گہری سبزی دہان کی ہے تو عین اور سو قلبیہ
کہیت گویا اسکے ہین سو غمگسارون سے سوا

صحن[۱] باغ اور کنج صحرا مین ہے پیپل خوش عمل
خندہ زن جو فرط خوشی و خرمی سے برملا

ق پوچھتے[۲] کیا ہو کہ اس موسم مین کیسا ہے آبار
شاد و خرم۔ غم سے خالی اور امنگون سے بہرا

سرخروئی اسکے پہولون اور پہلون سے ہے عیان
اُسکے پتے اوسکی سرسبزی کا دیتے ہین پتا

ق کوہستان[۳] مین نارنگی کہڑی ہے دیکہنا
مائل شوخی و تیزی - حامل جور و جفا

اسکی نکہت سے معطر اہل عالم کا دماغ
اسکی شیرینی تر و دسوز اور رحمت فزا

ہوشیار یہ ہے لجا لو دیکہہ کے رکہنا قدم
چہونہ جائے اس سے دامن یہ ہے سترا با حیا

کس خوشی سے چہچہے کرتے ہین صحن باغ مین
چڑیان خاکستر عبا اور بلبلین رنگین قبا

ناچتا ہے مور جنگل مین ز فرط انبساط
کوکتی ہے بن مین کوئل - اسکی دلکش ہے صدا

صبح ہوتے ہی یہ طوطون اور میناؤن کے غول
چہچہے اور قہقہے کرتے ہین بر روئے ہوا

ہے سراپا فارغ البالی و خوش حالی خروس
بانگ سے آتی ہے اسکی ہر جگہ "تو" کی صدا

ملک یورپ مین ہوا بازی ہے لیکن تیج خاص
پر دکن مین ہین طیور اس سے عموماً آشنا

---

[۱] مشہور دکنی کہاوت "بڑ روسے پیپل ہے املی کی پیٹہ کبہی نہ لیے"

[۲] انار کا درخت۔

[۳] نارنگی کا درخت۔

الغرض مصروف شادی ہے تمامی کائنات
حیدرآباد دکن ہے آجکل دارالسرور
اسکی گلیان ہین مشابہ کہکشان چرخ سے
باغ اسکے حسن و خوبی مین ہین جون باغ عدن
ہین مکانات مشید اسکے جتنے ن بہ ہمچرخ
اسکے باشندونکو سب کہتے ہین رشک حور و غلم
ہین خوشی سے جمگھٹے ہر کوچہ و بازار مین
ہین دلاویز اسقدر مطرب کے اصوات و نغم
جسطرف ڈالو نظر لاکہون تماشائی ہین جمع
ذات باری کا عیان جلوہ ہی ہر انسان سے
ہے ہر اک چہرہ شگفتہ اور ہر دل شادمان
کثرت خلقت سے تل دہرنے کی گنجائش نہین
صاف کرتا ہے خس و خاشاک کیون فراش باد
کر رہا ہے آبپاشی کس لئے سقائے ابر
آسمان سے ہو رہا ہے کیون یہ رحمت کا نزول
کیلئے ہے ہر مکان مین جلسۂ عیش و طرب
ق
کونسی تقریب ہے ایسی کہ جسکے واسطے
شاہ میر عثمان علی سلطان ذیجاہ و حشم
خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
حق پسند۔ انصاف پرور۔ نکتہ دان۔ جوہر شناس

کیا نبات اور کیا جماد۔ انسان کہ حیوان بملا
عیش و عشرت کا سمندر یہان ہی لہرین مارتا
جون پر طاوس ہین بازار اسکے خوشنما
اسکی نہرین کوثر و تسنیم دیتی ہین بہلا۔
دید سے انکی نہین ہوتی ہین سیر آنکہین ذرا
مین کہونگا اتنا انکو دیکہا اور انکو سنا
ہر در و دیوار سے آتی ہے عشرت کی صدا
کیا عجب ناہید گر آئے اتر کر از سما۔
ہے لباس خاص مین ہر اک۔ ہو چہوٹا کہ بڑا
ہر بشر ہے صنع خالق کا نمونہ اک نیا
محو دید ہر چشم اور ہر لب تبسم آشنا
اسقدر ہے چپقلش ملتا نہین ہے راستا
کہ بنا ہے شہر اور صحرا مثال آئینا؟
کہ نہین ہے گرد کا اطراف عالم مین پتا؟
مین رہی ہی کیون زمین سرچشمۂ نور و ضیا؟
کہ پہنچتی چرخ اخضر تک ہی اسکی ہو و ہا؟
ہین یہ سب تیاریان۔ آخر ہے باعث اسکا کیا؟
حامی اسلام۔ رونق بخش دین مصطفا
حاوی معقول و منقول۔ ذی حلم و حیا

پاک باطن ۔ نیک نیت ۔ صاحب عزم متین
[illegible] ۔ [illegible]

خسرو اقلیم ستی ۔ شمع بزم معرفت
[illegible] ۔ [illegible]

مرجع عالم و عالمیان ۔ کریم ابن کریم
مظہر نور الہی ۔ سایۂ ذات خدا

آج فرمایا دکن کے تخت پر شہ نے جلوس
کیا تری قسمت دکن ۔ اے تخت کیا طالع ترا

دیکھیے جس سمت عشرت کا ترانہ ہے بلند
ہے مبارک اور سلامت کی جدہر سنئے صدا

پادشاہ ایسا جوان بخت اور جوان سال آج تک
چشم پیر چرخ نے پوچہو کبہی دیکہا تہا کیا

بڑھیاں[1] کہتی ہین تہا دودھون اور پوتون پہلو
بیل منڈہے پر چڑہے ۔ رکہے تمہین اچہا خدا

جسقدر اہل دکن نازان ہون اسپہ ہے درست
جسقدر خوشیان منائین اسپہ وہ بالکل بجا

دودمان آصفیہ کے ہین شہ روشن چراغ
ذات اقدس سے ہے انکی بہر چمن پہولا پہلا

واہ وا ہے حسن انکا حسن آغاز شباب
[illegible] نورس ہے بیشک [illegible]

کرتے ہین ہر روز باری باری سے رات اور دن
عارض روشن سے انکے ماہ و خور کسب ضیا

سورہ والشمس کی تفسیر ہے گر ان کا رخ
سورۂ واللیل کی تشریح ہے زلف دوتا

انکی موزون قامتی اور جامہ زیبی پر نثار
شام اودہ کی اور بنارس کی صبح ۔ صبح و مسا

انکے جود و مرحمت سے ہر یتیم آسودہ حال
انکے بذل و لطف سے ہر بیوہ بابرگ و نوا

قوم ۔ مذہب اور مدارج کا نہین اسمین لحاظ
انکا سفرہ مومن و کافر پہ ہے یکسان کہلا

سنت مصطفوی کے ازبس کہ شہ پابند ہین
اندرون[2] شہر ہے تہی کہین ۔ [illegible]

حضرت صدیق اکبر شہ کے تھے جد بزرگ
شاہ نے ورثہ مین اپنے پایا ہے صدق و صفا

[1] بڑھیا عموماً دعا دینے کی عادی ہوتی ہین اور ہر نوجوان کو انکی دعا لینے کی آرزو رہتی ہے۔

[2] اندرون شہر حیدرآباد شراب لانے کی ممانعت ہے اور نہ اندرون شہر کوئی شراب خانہ ہے۔

کون ہے جو اُن کے اسا انکا ہین حلقہ بگوش
کہتے ہین "اکسیر" جسکو وہی "دیدار انکا" ہین
کیا شرورت و ہیونہ نے جا بین انکی ظلما تمیز
انکے شیعی شریت "سنگ" ہو ہموزن "لعل"
عوبہ یا یہ لیت ہین انکے اسطرح اضداد تھے
خار بھی اور شیعی ہین شیر و شکر کی طرح اب
شر کی نا فرمانی کی کسکو ہے طاقت اور مجال
قصد صیاد زنی شہر سن کے حیران ہین وحوش
ذکر سن سکے قہر سلطانی کا کہتا ہے عدو
اقویا سے اسقدر ضعفا ہین بے خوف و خطر
ہو گیا ہے حال معلوم انکے شاید عفو کا
شاہ پہ کرنے نچھاور لے کے آئے ہین درخت
ہدیان لائی ہین ریگ زر تصدق کیلئے

بندۂ احسان ہو انسان شک نہین اسمین ذرا
اور "عتاب ہیچو برق انکا" ہے ہمرنگ "قضا"
کم نہین ہی "وجہ زیبا انکا" از "آب بقا"
اور "انکا آستان" "کاشانۂ اہل صفا"
جسطرح ہو اتصال و قرب نور و سایہ کا
کیونکہ عثمان و علی ہین اسم شہ مین ایک جا
پھول نافرمان کا تک اسکے دکن مین ہے پتا
مثل روباہون کے ہے شیر علم تک کا پتا
مجھکو مت مارو کہ مین مرنے سے پہلے مر چکا
سر چڑھی ہے نیم کے گل بیل کیسی دیکھنا
چھیڑتی تھے نکہت گل رہروؤن کو برملا
بھر زر گل کے طبق سے رونمائی عندیا
اور معادن نے کئے الماس گوہر ایک جا

لہ الانسان عبید الاحسان۔

لہ "اکسیر" اور "انکا دیدار" کے اعداد بحساب جمل ایک ہین۔ یہی حال "انکا عتاب ہیچو برق" اور "قضا" کا ہے۔

لہ "انکا وجہ زیبا" اور "آب بقا" ہم عدد ہین۔

لہ "سنگ" اور "لعل" ہم عدد ہین۔ یہی حال "انکا آستان" اور "کاشانۂ اہل صفا" کا ہے۔

لہ بوجہ خوف۔

لہ نیم کے درختون پر گل بیل کا چڑھنا دکن مین ایک معمولی نظارہ ہے۔

مور قربان شہ پہ اپنا کرتا ہے نقش و نگار — نذر کرتا ہے حضور شاہ مین من اژدہا

نافۂ مشک آ مرے ہین لیکے ہرن از کوہ و دشت — پیشکش اسکو کرین تا بارگاہ شہ مین جا

سیونتی کہتی ہے مین ہون دامن شہ سے قرین — مونیا کہتا ہے مین ہون شہ کے قدمونسے لگا

پہول یہہ کہتے ہین گلچین سے ہمین پہنچاے — بارگاہ خسروی مین ہوگا احسان آپکا

غنچے کہتے ہین ہماری نارسی مانع نہ ہو — اشتیاق اس روز کا ہم کو بہی تہا حد سے سوا

ق غور سے سُن شب مین کیا کہتے ہین جنگل مین شغال[1] — ٹولیونمین ہین کے جب پہرتے ہین وہ بہر چرا

ایک کہتا ہے ہوے مسند نشین عثمان علی — ل کے پہرسب کہتے ہین لفظ مبارک[2] یارتا
(خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ)

ق نیلی نیلی دور سے یہہ جو دکہائی دیتی ہین — چوٹیان کوہ جبل کی جو ہین زنجیرہ نما

وہ ہین منزل گہہ زمین اور آسمان کے درمیان — اُنپہ آئی ہے اُتر مخلوق نوری از سما

شاہ کے دیدار سے ہین وہ زبس مسرور و شاد — واسطے شہ کے شہ شاہان سے کرتے ہین دُعا

یاالٰہی شاہ میر عثمان علی ذی جاہ کو — رکہہ حمایت اور ظلِ لطف مین اپنی سدا
(خلد اللہ ملکہ ودولتہ)

عمر طبعی۔ تندرستی۔ کامرانی انکو بخش — معرفت دے اپنی اور اپنی محبت کر عطا

دے رعایا پروری اور عدل کی توفیق انہین — تا ہو ملک آباد۔ اہل ملک خرم دائما۔

سالہا سال وہ حکومت پر رہین با عدل و داد — نیز اولاد اور احفاد اُنکے تا روز جزا

یہہ قصیدہ تو نے لکہا اک نئے ہی رنگ مین — ہے یقین قائل کرین اسکو پسند اہل صفا

---

[1] شغال ایک جانور ہے جسے ہندوستان مین گیدڑ یا سیار کہتے ہین۔ اور دکن مین کولہ۔ دکن مین یہہ نہایت مبارک خیال کیا جاتا ہے اور عوام کا عقیدہ ہے کہ صبح اسکی صورت دیکہنے سے ضرور کوئی نہ کوئی غیر معمولی فتوحات حاصل ہوتی ہین۔ مثلاً کہتے ہین "آج صبح صبح یہ کولے کی صورت دیکہہ آے ہین"۔

[2] یعنے مبارک مبارک۔ لفظ "مبارک" "دوتراچہ" کا ہموزن ہے جو بقول اہل پارس شغال کی بولی ہے۔

بارگاہ شاہ میں لیکے اسے فوراً پہنچ
تا حضور شہ سے خوشنودی کا تو پائے صلا

قطعہ تاریخ تخت نشینی اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر دام اللہ اقبالہ و عظم اجلالہ

بلبل کو گل مبارک ۔ گل کو چمن مبارک
ہو شاہِ نو تمہیں اے اہلِ وطن مبارک

ہر سو ہے بانگ عشرت ۔ ہر کو ہی نوش لذت
طوطیِ خوش نوا کو صحن چمن مبارک

چلتی ہے بادِ سحری ۔ لبنایت الٰہی
ہو بوستان کو نسرین اور نسترن مبارک

عثمان علی ہوئے شاہ ۔ با فر و شوکت و جاہ
ہو شاہِ نو تجھے اے ملک دکن مبارک

ہر لب پہ یہہ صدا ہے ۔ نائل غزل سرا ہے
اے نوجوان والی تخت دکن مبارک

۱۹۱۱ع

ایضاً فارسی

حبذا شد جلوہ گر سلطانِ ذیجاہِ دکن
با ہزاران شان و شوکت بر سریرگاہِ دکن

بر دمید از افقِ لطفِ ایزدی صبحِ مہی
کز ضیایش شد منور ہر سپہرِ گاہِ دکن ۔

طوطیِ شکر فشان آرد نوید جان فزا
مظہرِ فیضِ اتم شد شاہِ دلخواہِ دکن

اے زمین بر خود ببال ۔ اے آسمان بسیار ناز
ماہ اوج ابہت طالع شد از جاہِ دکن

جمع کن اے بحر دُرِ گہر دارائے کان لعل را
تا بپاشی بر سر دارائے ذیجاہِ دکن

اے صبا گوئی باہل حیدرآباد این سخن
فرخ آن قوم کہ دارد شاہ چون شاہِ دکن

باد از یمنِ شہ نیک اختر و روشن روان
خوار اعدائے دکن ۔ دل شاد ہوا خواہِ دکن

دیر بمان با خیر و برکت شاد باش و شاد زی
روشن از نورِ جبینت مہر و ماہِ دکن ۔

خوش بگو نائل کہ تو در سلکِ خدامِ شہی
دین پناہ عثمان علی پاک دل شاہِ دکن

۱۳۲۹ھ

تمت

اطلاع